جہانِ خواب
(آٹھواں مجموعۂ کلام)
ہاشم علی خان ہمدم

بسم الله الرحمن الرحيم
MRTsoft

آٹھواں مجموعۂ کلام
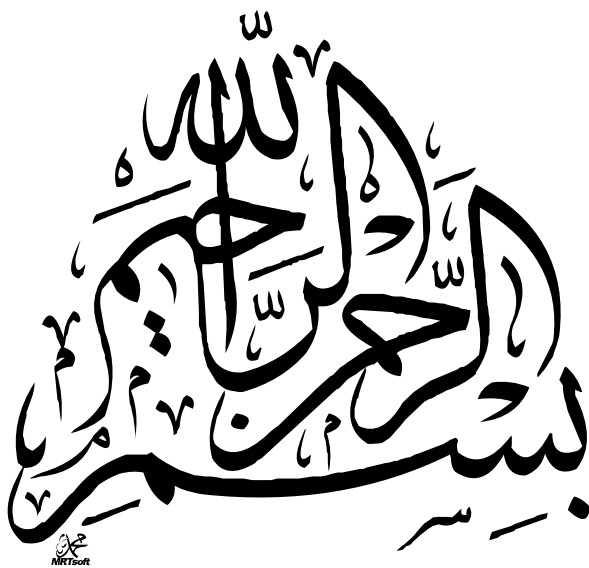
ہاشم علی خان ہمدمؔ

مکتبۂ ارمغانِ ابتسام
https://archive.org/details/@nzkiani
nzkiani@gmail.com

تعارف

نام	:	ہاشم علی خان ہمدمؔ
تاریخ پیدائش	:	۷؍جولائی ۱۹۷۳ء
تعلیم	:	ایم اے اردو، ایم اے انگریزی، بی ایڈ (پنجاب یونی ورسٹی لاہور)
جائے پیدائش	:	خودہ شریف تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک
پیشہ	:	درس وتدریس
سرکاری ملازمت	:	اسسٹنٹ پروفیسر (اردو) ایف جی ڈگری کالج واہ کینٹ
ادبی خدمات	:	بانی و منتظم موج غزل ادبی فورم (فیس بک)
اصناف سخن	:	حمد، نعت، غزل، نظم، سلام، منقبت، طنز و مزاح
تصانیف	:	۱۔ موجِ کرم (حمد و نعت)
		۲۔ پانچواں موسم (غزلیات)
		۳۔ آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)
		۴۔ موج غزل (طرحی غزلیات)
		۵۔ محبت کی زباں (طرحی غزلیات)
		۶۔ دھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)
		۷۔ چراغِ فکر (طرحی غزلیات)
		۸۔ جہانِ خواب (طرحی غزلیات)

۹۔چشم تماشا (طرحی غزلیات)

۱۰۔سراب سے آگے (طرحی غزلیات)

۱۱۔تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)

۱۲۔نمودِ سحر (طرحی غزلیات)

۱۳۔آدھا سفر (طرحی غزلیات)

۱۴۔دم (منتخب دیوان)

۱۵۔آخری چراغ (غزلیات)

۱۶۔طرحی غزلیات (زیرِ طبع)

۱۷۔نظموں کا مجموعہ (زیرِ طبع)

۱۸۔نعتیہ نظموں کا مجموعہ (زیرِ طبع)

۱۹۔نعتیہ مجموعہ (زیرِ طبع)

۲۰۔مزاحیہ کلام (زیرِ طبع)

پتہ : خودہ شریف، تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک۔

فون نمبر : 0311-5509555

انتساب

پیارے دوست

خوب صورت شاعر

شعیب نوید خان

کے نام

جہانِ خواب میں لائے گا کیا فسانہ ہمیں
عجیب رنگ میں رکھتا ہے یہ زمانہ ہمیں

عالمی ادبی فورم کے پہلے اکہتر مشاعروں میں کہا گیا کلام

مشتری ہوشیار باش

کتاب کا نام	جہانِ خواب۔
شاعر	ہاشم علی خان ہمدمؔ۔
وضاحت	یہ ہاشم علی خان ہمدمؔ کے کلام کا آٹھواں مجموعہ ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔

صفحات	۱۴۰
سالِ اشاعت	ستمبر ۲۰۲۳ء
ہدیہ	دعائیں۔
پبلشر	مکتبۂ ارمغانِ ابتسام۔ اسلام آباد، پاکستان۔
برقی ڈاک	itshamdam@gmail.com
ارکائیو ربط	archive.org/details/@nzkiani

فہرست

پیش رس

خالقِ ارض و سما ، ربِّ جہاں اور مالکِ انس و جاں کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے علم اور آگہی کے رستے پر اپنے خاص فضل و کرم سے سرفراز کیا اور حرفِ سخن سے دل نواز کیا ۔سرشار ہوں کہ اپنے تعلیمی سفر میں اہلِ علم کی نسبت و صحبت سے فیض یاب ہوں۔پیر و مرشد حضرت امام علی اصغر شاہ سرکارؒ اور والدین کی دعا سے ایک لائق طالب علم کا لقب پایا اور بر وقت تعلیم مکمل کرتے ہوئے باعزت روز گار پایا ۔کتاب دوستی سکول دور سے اب تک قائم ہے۔ شعر کہنے کا سلیقہ عطا ہوا تو کوئی لمحہ کسی خیال کی باز گشت کے بغیر نہیں رہتا ۔کوئی ادھورا مصرع ،کوئی ممکنہ خیال ہر وقت دل و دماغ پہ طاری رہتا ہے۔زود گوئی بھی اسی تخیل کا نتیجہ ہے۔قوتِ متخیلہ اور احساسِ جمال ہی شاعری کے بنیادی محرکات ہیں ۔محبت کے تمام رنگ اپنی جولانیوں کے ساتھ رگِ جاں میں رواں رہتے ہیں۔داخلی جہانِ خواب میں خارجی کائنات کی روشنی بھی مسلسل کوچہ ء جاں کو منور رکھتی ہے۔میں احساس کی روشن فضا میں آزادی سے سانس لیتا ہوں اور حرف قرطاس پہ لاتے مجھے دقت نہیں ہوتی کہ میرے خیال کا محور ایک مقدس ادراک سے جڑا ہے۔موجِ کرم سے جہانِ خواب تک

کا سفر مجھے اپنے حصار میں لیے ہوئے ہے۔میں اپنے تخیل کے جہانِ خواب میں تخلیقی آسودگی پہ خوش ہوں ۔اللہ نے مجھے سکون اور جنون بخشا ہے۔میں خیالات کے ہجوم سے پیدا ہونے والے اضطراب میں بے چین نہیں رہتا ۔آئنہ مجھے بتاتا ہے کہ میں اداسی میں بھی ہنس مکھ نظر آتا ہوں۔ایک ہلکی سی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پہ تصویر ہے۔اللہ کا شکر ہے کہ میں نارمل رویہ رکھنے والے انسانوں میں شمار ا گیا ہوں ورنہ پراگندگی اور نفسیاتی الجھنیں غالب آجائیں تو کوئی شاعر نارمل انسان نہیں رہتا اور اس کا علاج کئی ناقابل قبول غیر تہذیبی رویوں میں ڈھونڈتا ہے۔

جہانِ خواب کے شعری سفر میں کتاب چہرہ پہ میری ملاقات بہت اچھے دوستوں اور شعرا سے ہوئی ۔ان خاص دوستوں میں سے ایک میرے پیارے دوست شعیب نوید خان ہیں جو اسلام آباد میں مقیم ہیں اور خوب صورت لب و لہجے کے شاعر ہیں۔فیس بک پر ان سے دوستی ۲۰۱۲ء میں ہوئی۔اسی سال شعیب نوید خان کے قائم کردہ ادبی گروپ عالمی ادبی فورم میں شرکت کا موقع ملا ۔جہاں بہت اچھے اور نام ور شعرا کے ساتھ مشق سخن کا سلسلہ شروع ہوا ۔عالمی ادبی فورم کی انتظامیہ میں اچھے شعرا اور شاعرات شامل رہیں جنہوں نے اس ادبی گروپ کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ۔خوب صورت شاعرہ قدسیہ ظہور بھی اس گروپ کی اہم منتظم رہیں۔عالمی ادبی فورم کی انتظامیہ میں شمولیت اور مستقل میزبانی میرا اعزاز ہے۔

عالمی ادبی فورم آن لائن مشاعرہ میں بہ طور منتظم ایک سو اڑتیس مشاعروں میں شرکت کی۔خوب صورت مصرعوں پہ ہفتہ وار

مشقِ سخن سے بہت کچھ سیکھا۔شعیب نوید خان نے عالمی ادبی فورم کے نام سے ادبی تنظیم قائم کی اور مختلف شہروں میں اس کی شاخیں قائم کیں۔عالمی ادبی فورم واہ چیپٹر کی نظامت میرا اعزاز ہے۔عالمی ادبی فورم کے پلیٹ فارم سے کئی یادگار مشاعرے اور ادبی تقریبات منعقد ہو چکی ہیں۔عالمی ادبی فورم کے سوویں آن لائن مشاعرہ کا انعقاد آرٹس کونسل میں ہوا تھا جو ایک یادگار مشاعرہ تھا جس میں کئی نامور شعرا شریک ہوئے تھے۔عالمی ادبی فورم کے مشاعروں میں کہی گئی خوب صورت زمینوں میں طرحی غزلیات " جہانِ خواب" اور " چشمِ تماشا " کے عنوان کے تحت اشاعت پزیر ہیں۔حمدیہ اور نعتیہ کلام حمد و نعت کے مجموعے میں شامل ہے۔میں عالمی ادبی فورم کی ترقی کے لیے دعا گو ہوں۔

زیر نظر شعری مجموعہ " جہانِ خواب" عالمی ادبی فورم کے پہلے اکہتر مشاعروں میں کہی گئی غزلیات پر مشتمل ہے۔جس کی برقی اشاعت کا اہتمام موجِ غزل کے منتظمین نوید ظفر کیانی اور روبینہ شاہین بینانے کیا ہے۔اللہ تعالیٰ اس ادبی سفر میں ہمیں کامیاب اور بامراد فرمائے۔آمین۔

ہاشم علی خان ہمدم

۱۲اگست ۲۰۲۳ء

☆

لامکاں میں بھی لامکاں تو ہے
کون جانے کہاں کہاں تو ہے

تو ہے مشکل کشا مرا یارب
دھوپ نگری میں سائباں تو ہے

راز تیرے ہیں ذرّے ذرّے میں
ذرّے ذرّے کا رازداں تو ہے

چشمِ بینا میں نور ہے تیرا
دل کی بینائی پر عیاں تو ہے

تو ازل سے ابد کا مالک ہے
سب جہانوں پہ حکمراں تو ہے

خاک دانی سے لامکانی تک
کچھ نہیں ہے جہاں وہاں تو ہے

میں جو زندہ ہوں تیری دنیا میں
میرے ہونے کا ہر نشاں تو ہے

حسن تیرا ہے حسنِ لامحدود
آئینے سے مگر نہاں تو ہے

تو نے بخشی ہے زندگی مجھ کو
دھڑکنوں میں رواں دواں تو ہے

ہم تو وہم و گمان کے بت ہیں
ہر حقیقت کا ترجماں تو ہے

ذکرِ قرآں مرا اثاثہ ہے
حرف در حرف ہم زباں تو ہے

اپنے محبوب سے جڑی رکھنا
جانِ ہمدمؔ کا پاسباں تو ہے

☆

جہانِ خواب میں لائے گا کیا فسانہ ہمیں
عجیب رنگ میں رکھتا ہے یہ زمانہ ہمیں

محبتوں میں خسارہ ضرور ہے لیکن
سخی کیے ہوئے رکھتا ہے یہ خزانہ ہمیں

سخن کے باب میں ورنہ کہاں ٹھکانہ تھا
قبائے موجِ غزل نے کیا یگانہ ہمیں

ہماری اپنے ہی ہم زاد سے ٹھنی ہوئی ہے
بنا رہا ہے ازل سے عدو نشانہ ہمیں

ترے وجود کے دم سے نمود پاتا ہے
کسی ترنگ میں رکھتا ہوا ترانہ ہمیں

ہم ایک دوجے میں کھو کر وجود پانے لگے
جدا نہ کر دے ملاقات والہانہ ہمیں

کفِ جنوں پہ شراروں کا رقص رہتا ہے
دیا بجھا کے ہوا نے جلا دیا نا ہمیں

ہمیں زمیں پہ بھٹکنے کی کیا ضرورت ہے؟
کہ آسماں پہ بنانا ہے آشیانہ ہمیں

یہ سارا رزق کا چکر ہے میرے بھائی سن!
کشاں کشاں لیے پھرتا ہے آب و دانہ ہمیں

ہماری آنکھ ترستی ہے بوند پانی کو
خراج میں کبھی ملتا تھا آبیانہ ہمیں

ہمارے در پہ گدا گر سوال کرتے ہیں
ملا ہوا ہے محبت کا آستانہ ہمیں

قسم خدا کی اسے تہس نہس کر دیں گے
لڑا رہا ہے وہ دشمن جو بزدلانہ ہمیں

ہم اپنے عہد کے غالب نہ میر ہیں لیکن
کرے گا یاد زمانہ بھی غائبانہ ہمیں

ہم اپنے عہد کے قاتل سمجھ لیے گئے ہیں
یہی رہا ہے بغاوت کا شاخسانہ ہمیں

اندھیر نگری ہے لیکن چراغ بانٹتے ہیں
عطا کیے گئے اندازِ خسروانہ ہمیں

ہمارا ہجر کنارے پہ رہ نہیں سکتا
کوئی تو راستہ مل جائے درمیانہ ہمیں

ہم آج تک نہیں بھولے سکول کا رستہ
کیا تھا ماں نے محبت سے یوں روانہ ہمیں

کسی کی آنکھ میں ٹھہریں غزل غزل ہمدم
کوئی تو دیکھے بہ اندازِ شاعرانہ ہمیں

☆

عید بزمِ سعید کیا ہو گی
تم نہیں تو نوید کیا ہو گی

دل سے لپٹا ہوا ہے ماہِ تمام
چاندنی اب مزید کیا ہو گی

جان دیتے ہیں جان لیتے ہیں
اس سے چاہت شدید کیا ہو گی

ریزہ ءِ حرف ہے تمھارے لیے
شاعری کی کلید کیا ہو گی

میں نے بھیجا ہے عید کارڈ تمھیں
اور دل کی رسید کیا ہو گی

موجۂ گل میں وہ کشش ہی نہیں
سانس جوشِ ورید کیا ہو گی

کاٹ ڈالا ہے زندگی کا شجر
اس سے بڑھ کر برید کیا ہو گی

موت سستی ہے زندگی مہنگی
اس نگر میں خرید کیا ہو گی

ایک مدت سے آئینہ نہ ملا
اپنے بارے شنید کیا ہو گی

زندگی کٹ رہی ہے بے مایہ
خواہشوں کی مزید کیا ہو گی

دِل بچھایا ہوا ہے رستے میں
رسمِ خوش آمدید کیا ہو گی

کتنے بچوں نے جان دے دی ہے
اب ملالہ شہید کیا ہو گی

بزدلوں سے محاذ پر ہمدمؔ
رسمِ ابنِ ولید کیا ہو گی

☆

چاند تارے میں ضیائی کو سلامت رکھنا
سبز پرچم کی بلندی کو سلامت رکھنا

میرے تاریک خیالوں میں بھی لو جلتی رہے
تو مرے خواب کی بستی کو سلامت رکھنا

ہم تری آس پہ دریا میں نکل آئے ہیں
سینۂ موج پہ ہستی کو سلامت رکھنا

اِن میں خالد بھی ہیں، طارق بھی ہیں، محمود بھی ہیں
نوجوانوں کی جوانی کو سلامت رکھنا

منبعِ عزم و اخوت ہے یہ قائد کا مزار
رونقِ شہرِ کراچی کو سلامت رکھنا

میرے دشمن مرے دامن میں چھپے بیٹھے ہیں
میرے مولا ! مری نگری کو سلامت رکھنا

اِک دریچہ ہے جو آنگن میں کھلا رکھا ہے
ظلمتِ شب ! مری کھڑکی کو سلامت رکھنا

تند موجوں کی روانی کو سلامت رکھنا
عزم و ہمت سے جوانی کو سلامت رکھنا

سات دریاؤں کے دھارے کی نمو ہے تجھ میں
میری مٹی مرے پانی کو سلامت رکھنا

پاک دھرتی تجھے ورثے میں دیے جاتا ہوں
میرے بیٹے ! مری رانی کو سلامت رکھنا

میں نے ظلمت سے ترے شہر میں ہجرت کی ہے
روشنی ! نقل مکانی کو سلامت رکھنا

چاک دامن ہے مرا عشقِ جنوں خیز میاں!
تو مری خاص نشانی کو سلامت رکھنا

یا مری بانجھ زمینوں کو ہرا کر مولا!
یا مری اشک فشانی کو سلامت رکھنا

ایک آنسو میں ثمر بار گہر ہوتا ہے
ہم نوا آنکھ میں پانی کو سلامت رکھنا

تجھ سے قائم ہے زمانے میں فسانہ میرا
میرے کردار! کہانی کو سلامت رکھنا

حرف ریزی میں یہی موج غزل ہے ہمدمؔ
شعر در شعر معانی کو سلامت رکھنا

☆

لو سنو آج کہانی میری
میرے کردار زبانی میری

کیا زمانہ تھا کہ خوش تھی دنیا
ایسے ہی کہتی تھی نانی میری

میری خوشبو سے بھرا ہے نغمہ
تیرے لہجے میں روانی میری

عشق نعرہ ہے، جنوں ہے میرا
چاک دامن ہے نشانی میری

خواب ہیں کانچ کے پیکر لیکن
سنگ زادی ہے جوانی میری

آئینہ زاد فلنہ میرا
میری صورت ہے کہانی میری

تو نے بیچا مجھے مہنگا کر کے
دام تیرے تھے گرانی میری

خاک سے چاک ہوا ہوں ہمدم
ہو گئی نقل مکانی میری

☆

تاریخ کے چہرے پہ ضیا مانگ رہے ہیں
اے ارضِ وطن! تیری بقا مانگ رہے ہیں

پرچم کے پھریرے میں ترا نام سجا کر
آزاد فضاؤں کی ہوا مانگ رہے ہیں

دیکھی ہے شجاعت جو تری مردِ مجاہد
ہم ذوقِ شہادت کی ادا مانگ رہے ہیں

دُنیا کو سکھایا ہے یہ اندازِ محبت
دشمن سے بھی ہم عہدِ وفا مانگ رہے ہیں

ہوں کلمۂ توحید سے آباد فضائیں
ہم دل کے دھڑکنے کی صدا مانگ رہے ہیں

اسلام کا پیغام رہے چاند ستارہ
قرآن کے سائے میں دعا مانگ رہے ہیں

ہم امن و اخوت کے علم دار ہیں ہمدؔم
دھرتی پہ محبت کی فضا مانگ رہے ہیں

☆

موجۂ خوش خرام ہوتا ہے
کیا کہیں کیا کلام ہوتا ہے

خواہشوں کا قیام ہوتا ہے
دل میں کس کا مقام ہوتا ہے

کون کرتا ہے انقلاب کی بات
روز جشنِ عوام ہوتا ہے

ہجر کٹتا ہے تیشۂ دل سے
عشق کارِ دوام ہوتا ہے

ہو چکی ہے مگر نہیں معلوم
کیا محبت کا نام ہوتا ہے؟

شہر جنگل میں کر دیا تبدیل
آدمی کا یہ کام ہوتا ہے؟

جب بکھرتی ہیں چاند چہرے پر
نام زلفوں کا شام ہوتا ہے

عشق ہوتا ہے مرکزی کردار
خاص ہو کر بھی عام ہوتا ہے

سات دریاؤں کی نمو پا کر
عشق موجِ خرام ہوتا ہے

کیسے آئیں کہ تیری محفل میں
درد کا اہتمام ہوتا ہے

کھینچ لیتا ہے سانس بھی ہمدم
دل مگر زیرِ دام ہوتا ہے

☆

آئینے سے گزر گیا کب کا
زندگی ! میں سنور گیا کب کا

چاک دامن بھی ہو گیا بے باک
جس کو ڈرنا تھا ڈر گیا کب کا

تو نے پھر سے بلا لیا ورنہ
میں جہاں سے گزر گیا کب کا

خواہشیں کیوں پکارتی ہیں مجھے
میرا دامن تو بھر گیا کب کا

راہبر ہی نہیں کہ آگے بڑھے
کارواں تو ٹھہر گیا کب کا

دھڑکنوں پر سکوت طاری ہے
بوجھ دل سے اتر گیا کب کا

اب تو پھولوں نے خشک ہونا ہے
زرد موسم نکھر گیا کب کا

پھر بھی سیلاب ہے کنارے پر
چڑھ کے دریا اتر گیا کب کا

تیری زلفیں سنوار کر ہمدم
موجۂ گل بکھر گیا کب کا

☆

سجائے ہوئے خاک داں کیسے کیسے
سرِ آئینہ ہیں جہاں کیسے کیسے

سرابوں کے منظر عجب ہی رہے ہیں
یہاں کیسے کیسے، وہاں کیسے کیسے

نظر کی شرارت سے دل کی لگی تک
سرِ عشق ہیں امتحاں کیسے کیسے

یہ دل کا خسارہ تو کچھ بھی نہیں ہے
محبت کرے ہے زیاں کیسے کیسے

جنوں، سوز، آہ و فغاں، دردِ ہجراں
ملے ہیں مجھے مہرباں کیسے کیسے

فقط ایک کردار پیشِ نظر تھا
مچلتی رہی داستاں کیسے کیسے

عجب شہرِ آوارگی کی فضا ہے
فریبِ نظر ہیں گماں کیسے کیسے

سرِ رہ پڑاؤ بھی لازم تھا ہمدم
لٹے ہیں مگر کارواں کیسے کیسے

☆

یاد پھیلی تو مرے ہاتھ زمانے آئے
اِک کہانی میں کئی اور فسانے آئے

خیمۂ جاں میں لگی آگ بجھانے آئے
تجھ کو دیکھا تو نظر خواب سہانے آئے

اب تو لازم ہے کہانی میں سیاپا کوئی
گر وہ سچا ہے تو کردار نبھانے آئے

اِس سے پہلے کہ اندھیروں سے اجالا نکلے
وہ چراغوں سے مرا شہر جلانے آئے

میں نے پلکوں پہ ستاروں کی نمو رکھی ہے
دل کی نگری میں کوئی پھول کھلانے آئے

شوقِ لیلائے محبت کو روا رکھنا تھا
قیس بھی عشق کے صحرا کو بسانے آئے

ہم نے بخشا ہے زمانے کو تماشا ہمدم
خاک دانی میں لیے آئینہ خانے آئے

☆

شہرِ خیال و خواب میں جانا بہت ہوا
کہنے کو زندگی کا فسانہ بہت ہوا

کیوں خیمۂ خیال سے باہر لگا مجھے؟
ویسے تو خاک داں میں ٹھکانہ بہت ہوا

بچھڑے ہوئے جہان کا ملتا نہیں سراغ
ہجرت کیے ہوئے تو زمانہ بہت ہوا

اب تو خوشی کے نام سے ڈرنے لگا ہے دل
رنج و الم کا بوجھ اٹھانا بہت ہوا

موجِ خزاں نے رکھی ہے وحشت عروج پر
دشتِ جنوں میں دل بھی دوانہ بہت ہوا

آؤ! جنونِ عشق میں سر ہی کٹا چلیں
سجدے میں اپنے سر کو جھکانا بہت ہوا

جینا پڑے گا دھوپ کی چادر لپیٹ کر
مٹی کا یہ لباس پرانا بہت ہوا

چڑیاں بھی کر رہی تھیں جو بارش کی آرزو
گاؤں کے خشک کھیت میں دانہ بہت ہوا

پھر بھی نجانے کیوں مجھے منزل نہ مل سکی
حرفِ دعا لبوں پہ ترانہ بہت ہوا

پھر بھی وہی حجاب ہے آنکھوں کے درمیاں
ترچھی نظر سے دِکھنا دِکھانا بہت ہوا

ہمدم وفا کے باب میں تکرار یوں نہ کر
جانے دے دل کی بات! کہا نا! بہت ہوا!

☆

سرِ آئینہ اور کیا چاہتا ہوں
خودی، بے خودی میں خدا چاہتا ہوں

محبت، عبادت، وفا اور خدمت
زمانے میں ایسی ادا چاہتا ہوں

مجھے نفرتوں سے علاقہ نہیں ہے
محبت میں طرزِ وفا چاہتا ہوں

خموشی سے پوری ہو میری تمنا
لبوں پر وہ حرفِ دعا چاہتا ہوں

اَزل بھی یہی ہے، ابد بھی یہی ہے
تری ذات کا دائرہ چاہتا ہوں

مری فکر ہیں امن کی فاختائیں
میں دنیا میں سب کا بھلا چاہتا ہوں

بصیرت پہ طرزِ تکلم ہے ہمدؔم
سخن بے ارادہ ہوا چاہتا ہوں

☆

سر پہ چھتری ہے، نہ چادر ہے، نہ سایہ کوئی
دھوپ نگری میں ترے بعد نہ آیا کوئی

چاک در چاک خد و خال سنورتے جائیں
کوزہ گر! تو نے عجب چاک گھمایا کوئی

میں فسانے میں کہیں دور پڑا ہوا تھا
میرا کردار کہانی میں نہ لایا کوئی

اِک بگولہ ہے جنوں بختِ سرِ دشتِ جہاں
عشق صاحب نے کفِ حشر اٹھایا کوئی

یہ تماشا تو کئی بار دکھایا تو نے
آئینہ زاد زمانہ بھی دکھایا کوئی

اے مرے خواب! مری آنکھ سے الجھا کیوں ہے؟
میں! سرِ ہجر ترا نام بھلایا کوئی

کیوں نہ سمجھیں گے بھلا لوگ کہ ناراض ہیں ہم
ہاتھ سے ہاتھ سرِ بزم ملایا کوئی؟

خاک اڑتی ہے ستاروں کے جہاں میں ہمدم
خاک زادوں نے کہیں شہر بسایا کوئی

☆

زمین چھوڑ گیا، آسمان چھوڑ گیا
میں خاک دان سے نکلا مکان چھوڑ گیا

حدودِ ذات سے نکلوں تو کس طرح نکلوں
کوئی وجود کے اندر چٹان چھوڑ گیا

خیال و خواب کا رستہ بھی ناگ جیسا ہے
ہر ایک بل میں ہزاروں گمان چھوڑ گیا

وہ ہم قفس جسے اڑنا سکھا دیا میں نے
کٹے پروں میں شکستہ اڑان چھوڑ گیا

جنونِ عشق بھی نکلا ہے خامشی کے ساتھ
سو وحشتوں میں بھی امن و امان چھوڑ گیا

عجیب رنگ دکھایا مری شہادت نے
مراعدو مری خالی مچان چھوڑ گیا

انا کے موڑ پہ بیٹھی ہے کیا کرے صاحب
سرِ وفا جسے گبھرو جوان چھوڑ گیا

میں واپسی کا سفر بھی تو کر نہیں سکتا
''کس انتہا پہ مرا مہربان چھوڑ گیا''

میں ایک عام سا کردار تھا مگر ہمدم
وفا کے باب میں اک داستان چھوڑ گیا

☆

حریمِ چشمِ تمنا جہان چھوڑ گیا
حقیقتوں کے سفر میں گمان چھوڑ گیا

یہ میری سبز خیالی کہ زرد سرسوں ہے
ہری زمین میں سونا کسان چھوڑ گیا

تراشنا ہے مجھے اب یقین کا منظر
ترے خیال کا آذر چٹان چھوڑ گیا

نہیں ہے پیشِ نظر اب سراب کا صحرا
ترے وجود کا پیکر بھی دھیان چھوڑ گیا

اُتر رہی ہیں ستارے سے خون کی کرنیں
مرے وطن میں وہ کیسا نشان چھوڑ گیا

وہ جانتا تھا قبیلے کا آخری دشمن
چلا کے تیر وہ مجھ پر کمان چھوڑ گیا

اُٹھا رہا ہوں جنازے اداس لوگوں کے
مرے لیے وہ کفن کی دکان چھوڑ گیا

صریرِ قلب پہ رہتی ہے میری موجِ سخن
مرے ضمیر کا لہجہ زبان چھوڑ گیا

مکیں کی بات کروں یا مکان کی ہمدم
بسا تھا جو مری دھڑکن میں جان چھوڑ گیا

☆

اِک بار وہی بانگ درا کیوں نہیں آتی
پھر ضربِ کلیمی کی صدا کیوں نہیں آتی

پھر جھوٹ کا بازار ہے سرگرم جہاں میں
سچائی سرِ کرب و بلا کیوں نہیں آتی

ظلمت میں سلگنے کی سزا کاٹ رہے ہیں
بجھنا ہے چراغوں کو ہوا کیوں نہیں آتی

دھڑکن کا صدا کار کفِ موجۂ گل ہے
احساس میں غنچے کی ندا کیوں نہیں آتی

کج رو ہیں، پریشان ہیں، بے ذوق ہیں سجدے
مقبول عبادت کی ادا کیوں نہیں آتی

لینے کا سلیقہ ہے نہ پانے کا قرینہ
طالب ہیں مگر لب پہ دعا کیوں نہیں آتی

جلتے ہیں مگر پھر بھی اندھیرے کا سماں ہے
بے نور چراغوں میں ضیا کیوں نہیں آتی

صحرا میں کھلے پھول تو مجبور ہیں ہمدمؔ
دیبل کے سمندر سے گھٹا کیوں نہیں آتی

☆

مکاں کا ذکر کرے، لامکاں کی بات کرے
جو بے کراں ہے وہی بے کراں کی بات کرے

ترے وجود کی وسعت رہی ہے لامحدود
الٰہی کون ترے خاک داں کی بات کرے

سخن سرائے میں آئے کوئی تو میر شناس
غزل کے باب میں اردو زباں کی بات کرے

یہ فیصلہ مرے دل سے ابھی نہیں ممکن
کہاں کی بات نہ چھیڑے، کہاں کی بات کرے

اَنا کے موڑ پہ اٹکے ہوئے ہیں ہم دونوں
ہمارے بیچ کوئی درمیاں کی بات کرے

حقیقتوں کا جہاں ہے نظر سے دور کہیں
اسیرِ چشم تو وہم و گماں کی بات کرے

گھرا ہوا ہے سرابوں کی دھول میں کب سے
یہ خاک زاد مگر آسماں کی بات کرے

جلا رہا ہے نشیمن کی راکھ بھی لیکن
یہ کون مجھ سے مرے آشیاں کی بات کرے

کچھ اس لیے بھی ستارے سجائے پلکوں پر
وہ مجھ سے جب بھی ملے کہکشاں کی بات کرے

بہار کا بھی و تیرہ ہے دوستوں جیسا
مجال ہے کہ گلوں سے خزاں کی بات کرے

پیام ہم نے دیا ہے یہی ملالہ کو
کتاب چھوڑ کے تیغ و سناں کی بات کرے

ستم تو یہ ہے کہ ہم نے یہ طے کیا ہوا ہے
کہ فاختہ کا شکاری اماں کی بات کرے

مرے لیے یہی سایہ بہت غنیمت ہے
سفر کی دھوپ ترے سائباں کی بات کرے

سجا لیے ہیں چراغوں سے بام و در اپنے
تمام شہر مرے ہی مکاں کی بات کرے

جو پاک دھرتی سے ہمدمؔ وفا نہیں کرتا
اسے یہ زیب نہیں ہے کہ ماں کی بات کرے

آرمی پبلک سکول کے شہدا کے نام

سانحہ کیسے ہوا، دل کو دکھانے والا
کچھ بتاتا ہی نہیں چھوڑ کے جانے والا

کس کی خوش بو کو پکاروں کہ مرا ہر غنچہ
کھلکھلاتا تھا کبھی سب کو ہنسانے والا

المیہ آنکھ نے ایسا کبھی دیکھا ہی نہیں
جل گیا خود بھی لگی آگ بجھانے والا

طاہرہ خون سے لکھا ہے فسانہ تو نے
تیرا کردار ہے تاریخ بچانے والا

گھر کے ملبے میں نمایاں مرے معمار بھی ہیں
چھوڑ سکتا ہے کہاں گھر کو بنانے والا

اپنے ہاتھوں سے مرا ٹھہر نہ پایا کافر
کتنا بزدل ہے یہ مقتل کو سجانے والا

اس کو ایندھن نہ بنایا تو مرا نام نہیں
میرا دشمن ہے یہاں آگ لگانے والا

خون سچا ہے مرا سچ کی گواہی دے گا
نام جھوٹا ہے ترا جھوٹ چھپانے والا

علم کا نور اندھیروں کو مٹا دیتا ہے
کیا سمجھتا ہے کتابوں کو جلانے والا

میرے خرمن میں فقط ایک ملالہ تو نہیں
میرا ہر پھول ہے گلشن کو سجانے والا

ظلمتِ شب سے نمودار اجالے ہوں گے
راستہ دور نہیں روشنی لانے والا

پھول ہی پھول سرِ اشک نظر آتے ہیں
خود جنازہ ہے جنازوں کو سجانے والا

تو تو ملعون ہے لعنت کا نشاں ٹھہرے گا
سارا عالم ہے شہیدوں کو اٹھانے والا

دشمنی علم سے اے ظلم کے کردار نہ کر
علم رستہ ہے محبت سے ملانے والا

ہر طرف ظلم کا بازار نظر آتا ہے
ہے کوئی نور کی شمع جلانے والا

دِل میں طاقت ہی نہیں اور کہ ہمدم لکھوں
مرثیہ کہنا پڑا دل کو رلانے والا

☆

اگرچہ آئینہ جھوٹا نہیں ہے
مگر پیشِ نظر دھوکا نہیں ہے

ہمیں بس ایک رخ سے دیکھ لینا
ہمارا دوسرا چہرہ نہیں ہے

بنے ہیں دو کنارے فاصلے پر
ہمارے درمیاں دریا نہیں ہے

کسی طوفان کا ہے پیش خیمہ
یہ آنسو ہے مگر قطرہ نہیں ہے

عجب ہے دھوپ نگری کا تماشا
مرے ہم زاد کا سایہ نہیں ہے

چھپی ہے جھوٹ اندر کی کہانی
کوئی اخبار بھی سچا نہیں ہے

سبھی تقلید ہمدمؔ کر رہے ہیں
کسی کا راستہ اپنا نہیں ہے

☆

میری آنکھوں میں رنگ بھرتا ہے
دل اسے دیکھ کر سنورتا ہے

خوف ہے یا کوئی اندھیرا ہے
آدمی آدمی سے ڈرتا ہے

بزمِ ہستی ہے گردشِ دنیا
خاک داں چاک سے گزرتا ہے

رزق ملتا ہے خون کے بدلے
تب کہیں جا کے پیٹ بھرتا ہے

یہ صلہ ہے مری وفاؤں کا
مجھ پہ احسان کون کرتا ہے

دل نبھاتا ہے مرکزی کردار
کب کسی عہد سے مکرتا ہے

چاند رہتا ہے آسمانوں میں
میرے آنگن میں کب اترتا ہے

آنسوؤں کی نمود لازم ہے
آنکھ ٹپکے لہو نکھرتا ہے

گل بنوں سے نکل کے موجۂ گل
خار زاروں میں جا بکھرتا ہے

چل رہا ہے جو قافلہ ہمدم
دیکھیے کس جگہ ٹھہرتا ہے

☆

خاص بندے خدا کے ہوتے ہیں
مذہباً جو وفا کے ہوتے ہیں

پھول ہوں یا کہ تتلیوں کے رنگ
سارے موسم صبا کے ہوتے ہیں

موج مستی کے سرخ موسم میں
پھول رنگِ حنا کے ہوتے ہیں

کیا عجب ہے کہ حل نہیں ہوتے
مسئلے جو بقا کے ہوتے ہیں

جگنوؤں کو تلاش کرتا ہوں
یہ ستارے ضیا کے ہوتے ہیں

تشنگی ہے یہ جستجوئے غزل
شعر حرفاً دعا کے ہوتے ہیں

بے لباسی ہنر ہوئی ہے مگر
چاک بندِ قبا کے ہوتے ہیں

وقت کے ہاتھ پر لکھا ہوا ہے
شیر تو کربلا کے ہوتے ہیں

خواب نگری میں سب پری چہرہ
خوب صورت بلا کے ہوتے ہیں

چشمِ عالم کے عام ترکش میں
تیر سارے خطا کے ہوتے ہیں

روشنی کے سفیر تو ہمدؔم
نقش پائے رسا کے ہوتے ہیں

چشمِ بے دار سے آگے کا سفر لگتا ہے
ہر نیا سال مجھے خواب نگر لگتا ہے

شہرِ ادراک سے باہر ترے بت ہی بت ہیں
دل کی مسجد سے نکلتا ہوں تو ڈر لگتا ہے

اپنی چھاؤں میں ہی رہتا ہوں سرِ راہِ حیات
دُھوپ نگری میں تو سایہ بھی شجر لگتا ہے

جی میں آتا ہی نہیں غیر سے نسبت کا خیال
دِل کی دھڑکن پہ محبت کا اثر لگتا ہے

ہم نے مل جل کے بنانا ہے اسے تاج محل
ورنہ یہ گھر بھی تو بوسیدہ کھنڈر لگتا ہے

یہ زمانہ تو کبھی میرا ہوا کرتا تھا
یہ زمانہ جو ترے زیرِ اثر لگتا ہے

عکس رہتا ہے ترا دیدۂ ادراک کے ساتھ
آئنہ جب بھی مجھے پیشِ نظر لگتا ہے

کتنا سادہ ہوں کہ اخبار کا عادی ہو کر
جھوٹ ہی جھوٹ مجھے سچی خبر لگتا ہے

ایک لمحے کی مسافت ہے قیامت ہمدم
ہجر تھوڑا ہے مگر مثلِ شرر لگتا ہے

☆

دشت در دشت سمندر کے گہر کو ترسے
سنگ زادے تھے مگر دیدۂ تر کو ترسے

کوئی آنسو نہ سرِ اشک نمودار ہوا
ہم زمانے میں محبت کے اثر کو ترسے

آنکھ ظلمت کے اندھیروں میں بھٹکتی دیکھی
خواب روشن تھے مگر نورِ سحر کو ترسے

بے ردائی کے سفینے میں رکھا ہے سورج
دھوپ نگری کے مسافر تھے، شجر کو ترسے

شہرِ ادراک میں اظہار کہاں تھا ممکن
عمر بھر اہلِ سخن حرفِ ہنر کو ترسے

رات گزری تھی اجالوں کا نوشتہ دے کر
آنکھ کھولی تو کسی خواب نگر کو ترسے

ماں کی چھاؤں تھی، نہ سایہ تھا وہ ابو جیسا
گھر کے اندر تھے مگر اپنے ہی گھر کو ترسے

منزلِ شوق عجب خوف میں لپٹی ہمدم
ہم سفر لوگ یہاں ذوقِ سفر کو ترسے

☆

سورج کی تیز دھوپ سے، گردِ سفر سے پوچھ
صحرا سراب کیوں ہوا پیشِ نظر سے پوچھ

منزل رہِ چراغ ہے اہلِ جنون کی
کشتی جلا کہ راستہ مت راہبر سے پوچھ

ظلمت کدے کو چھوڑنا آسان تو نہ تھا
کتنے چراغ بجھ گئے نورِ سحر سے پوچھ

کب تک رہے گی تشنگی تعبیر کی ہمیں
کب تک یہی اڑان ہے خوابوں کے پر سے پوچھ

گھر کے مکیں کہاں گئے، کیا ماجرا ہوا؟
ویرانیوں کی بات ہے دیوار و در سے پوچھ

رکھا ہے جس نے دھوپ میں سایہ وجود کا
چھاؤں کا راز بیٹھ کر بوڑھے شجر سے پوچھ

نقش و نگار دیکھ کے حیران یوں نہ ہو
تہذیب کیا ہوئی مرے اجڑے نگر سے پوچھ

کاٹیں چھری سے انگلیاں، انگلی سے کس نے چاند
دیکھا ہے کس نے معجزہ رشکِ قمر سے پوچھ

جھوٹے حروف جھوٹ کی تصویر ہے میاں
اخبار کی کہانیاں اہلِ خبر سے پوچھ

ہمدؔم مرا شعور ہے لفظوں کا بانکپن
میرے سخن کا ذائقہ اہلِ ہنر سے پوچھ

☆

آئینہ چاک گریباں ہے کہیں چلتے ہیں
خواہشِ دید پریشاں ہے کہیں چلتے ہیں

اک نہ اک روز تو جانا ہے رہائی پا کر
زندگی ویسے بھی زنداں ہے کہیں چلتے ہیں

عشق! چل اور کہیں بیٹھ کے باتیں کر لیں
دشت میں قیس پریشاں ہے کہیں چلتے ہیں

یہ چکا چوند اجالے تو مجھے چبھتے ہیں
شہر میں جشنِ چراغاں ہے کہیں چلتے ہیں

دور جنگل میں کسی امن کی آشا لے کر
شہر کا شہر پریشاں ہے کہیں چلتے ہیں

اِس بھرے میلے میں تنہائی بڑھی جاتی ہے
بھیڑ میں دل مرا ویراں ہے کہیں چلتے ہیں

پڑ گئی پاؤں میں زنجیر تو مشکل ہو گی
دُور جانا ابھی آساں ہے کہیں چلتے ہیں

اِن بگولوں میں ہمیں دیکھ نہ پائے کوئی
دور تک گرد کا طوفاں ہے کہیں چلتے ہیں

چشمِ ادراک سے منظر کو بدلنا ہو گا
دل مرا شہر سے نالاں ہے کہیں چلتے ہیں

آدمی دیکھ کے دم گھٹنے لگا ہے ہمدم
ہر کوئی دشمنِ انساں ہے کہیں چلتے ہیں

☆

کسی قطار میں شامل نہ تھے، شمار اگیا
بس امتحان میں رکھا، ہمیں گزار اگیا

پڑے جو زرد تو پھر سے نمود ڈالی گئی
خزاں کے پھول تھے لیکن ہمیں بہار اگیا

اب آئنہ بھی حقیقت دکھائی دیتا ہے
عقیقِ چشمِ غزالاں سے یوں سنوار اگیا

ہوئے نہ چاک گریباں عجب جنوں میں رہے
خرد زدوں کو سرِ دار یوں اتارا گیا

میں کب کسی سے حقیقت میں مرنے والا تھا
مجھے تو جھوٹے فسانے میں لا کے مارا گیا

میں وہ زمین ہوں جس کی عجیب قسمت ہے
ہر ایک بار مجھے ہی جوئے میں ہارا گیا

میں ایک خواب سے آگے کبھی گیا ہی نہیں
کبھی جو آنکھ کھلی بھی تو سب نظارا گیا

ترا وجود متاعِ حیات کر بیٹھے
لو آج دل سے محبت کا سب خسارا گیا

کبھی کبھی تو سنی ہے صدائے اہلِ جنوں
کبھی کبھی تو ہمیں بھی کہیں پکارا گیا

وصال ہو گا میسر تو زندگی ہو گی
وگرنہ ہجر میں جینے کا ہر سہارا گیا

مرا خمیر بھی شامل ہے موجۂ گل میں
مرے لہو سے بہاروں کا رخ سنوارا گیا

ہمارے خون سے ٹھہری ہے سرخ رو منزل
قدم قدم پہ ہمارا وجود وارا گیا

بھنور سے جیت گیا ہوں مگر نہیں معلوم
کدھر گئی مری کشتی، کدھر کنارا گیا

میں اپنے چاک کے اندر ہی رہ گیا محدود
سو خاک دان سے باہر نہ میرا گارا گیا

جہاں بھی نقشِ قدم تھے ترے وہاں پہنچا
کہ اوجِ بامِ فلک پر مرا ستارہ گیا

ہوا خموش ہے لیکن اندھیر نگری میں
گیا گیا ! ارے دیکھو ! دیا ہمارا گیا

ہے زندگی کا خلاصہ یہ آخری ہچکی
لبوں پہ دم ہے سو اپنا بھی گوشوارہ گیا

کوئی بھی لفظ مرے ہاتھ کب لگا ہمدم؟
بچھڑ کے تجھ سے محبت کا استعارہ گیا

☆

پاؤں رکھتا ہوں میں پانی پہ سہارے لے کر
بھاگ جاتی ہے مگر موج کنارے لے کر

اس خرابے سے محبت کے شرارے لے کر
ہم بھی جائیں گے کسی روز خسارے لے کر

میں نے دیکھا ہے کہ ہم زاد بنا پھرتا ہے
آئینہ زاد مرے خواب ادھارے لے کر

اب تو احساس میں رہتا ہے سلگتا سورج
چھاؤں ملتی ہے کہاں دھوپ کنارے لے کر

سچ کا اظہار سرِ دار کہاں ہے ممکن
میرا دشمن ہے مری تاک میں آرے لے کر

اُس کو ہے علم! ہواؤں کا بھروسہ کیا ہے
اپنے بچپن میں جو کھیلا ہے غبارے لے کر

گردشِ وقت! یہ کس کرب سے دوچار کیا
دل ہمکتا تھا سرِ عشق ہلارے لے کر

جو سمجھ دار ہیں روتے ہیں سرہانے بابا!
جو نہیں، خوش ہیں، جنازے میں چھوہارے لے کر

اے شبِ ہجر! ذرا ٹھہر! یہیں ٹھہر! ذرا سانس تو لے!
لے کے جائے گی کہاں درد کے مارے لے کر

دشمنِ جاں تو مری جان کو آیا ہوا ہے
جان خود دے کے چلا جان سے پیارے لے کر

میری تنخواہ، مرا خرچ مہینے بھر کا
مجھ کو جانا ہے کہاں نوٹ کرارے لے کر

بے سرابی ہے مگر دشت نوردی تو ہے
کون جاتا ہے ہمیں سنگ تمہارے لے کر

میں تو نکلا تھا کہیں آگ بجھانے کے لیے
کیوں بگولے ہیں مرے سنگ شرارے لے کر

تم نے کاٹی ہیں کہاں ہجر کی راتیں ہمدم
تم تو آباد ہوئے خواب ہمارے لے کر

☆

سرابِ چشمِ تماشا نے جو فسانے کیے
وہی تو ہم نے سرِ آئینہ دکھانے کیے

محبتوں کے فسانے بیاں ہوا نے کیے
وفا کے دشت میں چرچے کسی بلا نے کیے

رہی ہے زرد رتوں میں بھی کالی دھوپ یہاں
ستم برائے ستم صبح پہ ضیا نے کیے

اُنہی کو آج بھی دہرا رہا ہے دشتِ بلا
ستم یزید کی خاطر جو کربلا نے کیے

چمن سے کون سا خوشبو سرشت گزرا ہے
گلوں کے چاک گریبان بھی صبا نے کیے

مری مجال کہاں کہ کہیں قدم رکھوں
مرے تو کام ہمیشہ مرے خدا نے کیے

ہمارے شہر میں رکھے ہیں مے کدے آباد
یہ سلسلے بھی ترے غمزہ و ادا نے کیے

اُسے بھلانے کی کوشش ہے آج تک ناکام
بتائیں کیا دلِ ناداں نے کیا بہانے کیے

نجانے کون سی مجبوریوں کے قیدی ہیں
وگرنہ ہم نے تو لوگوں کے دل ملانے کیے

یہ اور بات پرایا قصور تھا لیکن
قبول جرم ہمیشہ مری انا نے کیے

خموش رہ کے سلیقے سے وار کرتے ہیں
امیرِ شہر نے کتنے بڑے سیانے کیے

ہمیں تو کھیت کی مٹی نے باندھ رکھا تھا
وگرنہ ہم نے قدم بارہا اٹھانے کیے

مرے حروف تھے بنجر زمین کے اندر
نمودِ عرضِ ہنر عرصۂ قبا نے کیے

زمیں کی کوکھ سے نکلے فلک مزاج رہے
یہ معجزے بھی محبت سے آشنا نے کیے

سرور و کیف میں رہتے تھے بندگانِ خدا
تمام رند گنہ گار پارسا نے کیے

سو زندگی کا فسانہ تمام شد ہمدمؔ
تمام باب مکمل ہیں بے وفا نے کیے

☆

دیے کو طاق پہ رکھنے کا اہتمام کریں
پھر اس کے بعد ہواؤں سے ہم کلام کریں

بصیرتوں کا اندھیرا مٹا بھی سکتے ہیں
خرد پرست اگر جگنوؤں کا کام کریں

زہے جنوں کسی مجنوں سے ہم بھی ملنے چلیں
وفا کے دشت میں رہنے کا انتظام کریں

سخن طراز کبھی جھوٹ سے نکل تو سہی
عجب نہیں کہ ترا ہم بھی احترام کریں

ترا وجود ضروری ہے ہم جئیں نہ جئیں
ذرا سی بات پہ کیا زندگی حرام کریں

خبر نہیں کہ نمودِ بہار کیا ہو گی
ہوا کے ہاتھ اگر موجۂ خرام کریں

ہمیں بھی اذنِ جنوں چاہیے سرِ محفل
جگر فگار کریں ، دل سے ہم کلام کریں

دِلوں کا پیار عبادت سے کم نہیں ہوتا
محبتوں کا وظیفہ جو صبح و شام کریں

ہمیں تو گہرے سمندر میں ڈوبنا ہے کہیں
یہ خواب جزیرہ کسی کے نام کریں

کہیں یہ امن کی خواہش ہی مار دے نہ ہمیں
چھڑی ہے جنگ تو تلوار بے نیام کریں

سلگ اٹھے گا کہیں نہ کہیں سے مثلِ شرر
ہے فکرِ نو کا تقاضا کہ سچ کو عام کریں

سنا ہے ان کی محبت دوام ہوتی ہے
بسر جو کوچۂ جاناں میں صبح و شام کریں

خدائے عشق سے نسبت دوام کر ہمدم
اسی کے در پہ جھکیں ہم اسے سلام کریں

مزدوروں کے نام

لے کے ہاتھوں میں وہ محنت کا ثمر جاتا ہے
دِن گزرتا ہے تو مزدور بھی گھر جاتا ہے

کس قدر تلخ ہیں مزدور کے اوقات یہاں
گردشِ غم سے نکلتا ہے تو مر جاتا ہے

حوصلہ زیست سے لڑنے کا ہے مزدور کے سر
تیشۂ دل سے پہاڑوں کو کتر جاتا ہے

اپنی اوقات سے بڑھ کر بھی کرے کیا بندہ
خواب در خواب ہواؤں میں بکھر جاتا ہے

کام مل جائے سویرے ہی تو خوش ہوتا ہے
خوں پسینے کی کمائی سے نکھر جاتا ہے

کام والوں کو تو چھٹی نہیں ملتی ہمدم
یوم مزدور بھی محنت میں گزر جاتا ہے

☆

چاند چاند چہروں پر ہے جمال کا موسم
کس طرح سے گزرے گا خدّ و خال کا موسم

موجۂ ترنم ہے عرضِ حال کا موسم
دھڑکنوں نے چھیڑا ہے قیل و قال کا موسم

اَن کہی میں کہہ ڈالا ہر سوال کا موسم
خامشی میں ٹھہرا ہے بول چال کا موسم

تتلیاں تھرکتی ہیں ، پھول مسکراتے ہیں
رنگ رنگ خوشبو ہے مہ جمال کا موسم

خواہشوں کی وحشت نے سب کو آن گھیرا ہے
ذہن و دل پہ چھایا ہے ابتذال کا موسم

ہم خزاں گزیدوں میں کب نمود باقی ہے
ہم گزار بیٹھے ہیں ہر کمال کا موسم

میں گلاب چہروں میں زرد ہو گیا لیکن
آج تک نہیں بھولا سرخ گال کا موسم

آبلوں کے پانی سے خار لے کے آئے گا
بے شجر زمینوں میں سبز ڈال کا موسم

عشق کی مسافت میں ساتھ ہیں مگر ہمدم
ہجر میں کہاں رکھیں ہم وصال کا موسم

☆

آئینے سے نہاں نہیں ہوتے
اس قدر ہم عیاں نہیں ہوتے

عشق سب سے بڑی حقیقت ہے
اس میں وہم و گماں نہیں ہوتے

اپنے اندر ہی جھانکنا ہو گا
جب تلک تم عیاں نہیں ہوتے

دھڑکنوں سے کلام لازم ہے
ہم سخن ہم زباں نہیں ہوتے

کیوں بھٹکنے کی بات کرتے ہو
دشت میں کیا مکاں نہیں ہوتے

مرحلے شوق سے گزرتے ہیں
عشق میں امتحاں نہیں ہوتے

اشک ٹھہرے ہوئے سمندر ہیں
چشمِ تر سے رواں نہیں ہوتے

اوڑھ لیتا ہوں دھوپ کی چادر
سر پہ جب سائباں نہیں ہوتے

تجھ کو ڈھونڈوں کہاں کہاں ہمدمؔ
ساتھ ہم تم کہاں نہیں ہوتے

☆

آئینے سے کلام کرتا ہوں
میں سخن در سخن سنورتا ہوں

دشتِ امکان سے گزر کر میں
سات دریاؤں سے گزرتا ہوں

بے نمودی بہار ہے مجھ میں
میں خزاؤں میں بھی نکھرتا ہوں

میرا کردار ہے حقیقت میں
میں کہانی میں رنگ بھرتا ہوں

جھوٹ پر ہے مدار جینے کا
سچ نہ بولوں اگر تو مرتا ہوں

مجھ کو خوشبو سنائی دیتی ہے
میں تو پھولوں پہ کان دھرتا ہوں

شاعری ہے کہ فنِ کوزہ گری
چاک در چاک حرف برتا ہوں

سبز رہتی ہے میری موجِ غزل
میں بھی لفظوں کی گھاس چرتا ہوں

عہدِ رفتہ نبھا رہا ہوں مگر
عہدِ حاضر سے کب مکرتا ہوں

بول دیتا ہوں دل کی بات ہمدؔم
کچھ بھی کہنے کے بعد ڈرتا ہوں

☆

ذرا سی بات پہ کیسی شکایتیں کرنی
روا رہی ہیں محبت میں ہجرتیں کرنی

جنونِ عشق میں توڑا ہے ہم نے پیمانہ
سرابِ دشت میں سیکھی ہیں وحشتیں کرنی

نظر ملا کے چراتے ہیں آئنے سے ہم
تری نظر نے سکھا دیں شرارتیں کرنی

ترے وجود سے قائم ہے بندگی اپنی
سو ہم پہ فرض ہیں مولا عبادتیں کرنی

بس ایک بار پکارا تجھے محبت سے
پھر اس کے بعد پڑی ہیں وضاحتیں کرنی

ہمیں تو ایک تعلق نے مار ڈالا ہے
اب اور کیا ہیں کسی سے رفاقتیں کرنی

خزاں نے بادِ بہاری بھی چھین لی ہم سے
ہمیں تو مہنگی پڑی ہیں بغاوتیں کرنی

بہت عظیم ہے انسان کا وقار مگر
عجیب تر ہیں درندوں سی حرکتیں کرنی

یہ خار و خس بھی چمن کا حسیں خزانہ ہیں
گلوں کا کام ہے کانٹوں پہ نکہتیں کرنی

مرے شجر پہ بسیرا ہے فاختاؤں کا
ترے نصیب میں لکھی ہیں دہشتیں کرنی

زمیں کے نیچے ٹھکانہ ہے آدمی کا مگر
یہ کیا کہ اس پہ ہی اونچی عمارتیں کرنی

مرے خمیر میں شامل ہے باوفا مٹی
مری سرشت نہیں ہیں عداوتیں کرنی

یہ اقتدار سیاست ہے دل کی بات نہیں
ہمیں قبول نہیں ہیں حکومتیں کرنی

بہت کٹھن ہے محبت کے باب میں ہمدمؔ
بصیرتوں کے حوالے بصارتیں کرنی

☆

آئینۂ ادراک سے وہ عکس اتارے
چمکے ہیں سرِ خواب کئی چاند ستارے

مجھ کو بھی محبت کے جریدے میں شمارے
کوئی تو مرے گھر کی خزاؤں کو بہارے

یہ جسم کا آسیب سرِ شام ڈھلے گا
رکتے ہیں کہاں سائے بھلا دھوپ کنارے

ہم نے بھی کنارے پہ سجا رکھی ہے ناؤ
اے کاش کوئی موج ہمیں دل سے پکارے

حالات کی بھٹی میں فقط میں ہی نہیں ہوں
افلاس میں جلتے ہیں کئی راج دلارے

احساس کچلتا ہے مرے پیٹ کا ایندھن
میں خون اگلتا ہوں تو جلتے ہیں شرارے

کس دور کے بچے ہیں مری بند گلی میں
مٹی کے کھلونے ہیں، لفافوں کے غبارے

ہجراں کا تسلسل مجھے سونے نہیں دیتا
قائم ہیں مرے دل پہ ابھی تیرے اجارے

رکھی ہے محبت کی ادا طرزِ سخن میں
پتھر تو کجا ہم نے کبھی پھول نہ مارے

ہم عشق کی بازی بھی عجب شان سے کھیلے
اپنوں سے نہ جیتے ہیں نہ اغیار سے ہارے

کچھ روز غم ہجر کے برزخ میں رہے ہم
کچھ روز ترے خواب کی جنت میں گزارے

کرتی ہے تجھے یاد ہمکتی ہوئی دھڑکن
لیتا ہے ترا نام نگاہوں میں ہلارے

ہر شام کسی چاند کی امید پہ ہمدم
ہم نے بھی چراغوں سے در و بام سنوارے

☆

شہر سخن شناس میں جانے نہیں دیا
کیا کیا کفِ شعور پہ آنے نہیں دیا

دل کی بس ایک بات تھی، دل میں ہی رہ گئی
اوجِ کمال عشق پہ آنے نہیں دیا

ہم بھی تو اپنے دور کی روشن مثال تھے
لیکن دیا کسی نے جلانے نہیں دیا

رکھا ہوا ہے آج بھی راہِ حیات میں
سر پر جو بوجھ دل نے اٹھانے نہیں دیا

نسبت رہی ہے عشق میں سچے حروف سے
لکھ کر کوئی بھی اسم مٹانے نہیں دیا

وہ جانتا تھا ہجر کی پختہ لکیر کو
مجھ کو کسی نے ہاتھ دکھانے نہیں دیا

کب سے میں تیرے شہر میں ہجراں گزار رہوں
لیکن شبِ وصال کو جانے نہیں دیا

سورج نے تیز دھوپ میں سائے سمیٹ کر
کھوئے ہوئے وجود کو پانے نہیں دیا

مرتے ہوئے وجود کو اس کی طلب رہی
جو کچھ بھی زندگی نے کمانے نہیں دیا

کچھ پل حسین دور کے رکھتا سنبھال کر
اتنا بھی وقت تو نے زمانے نہیں دیا

ہمدؔم جہان عشق میں ملتا بھی کیا ہمیں؟
دل ہی کسی کو دل سے ملانے نہیں دیا

☆

ہم سخن ہیں نہ آشنا صاحب
آپ اپنا ہیں آئنہ صاحب

دو کناروں کی ہے انا صاحب
بیچ میں ہے جو فاصلہ صاحب

آشنائے سخن نہیں ہم لوگ
میرؔ ہیں ہم نہ میرزاؔ صاحب

آپ ہی کو بجا سمجھتا ہوں
آپ کی بات ہے بجا صاحب

یہ تماشا ہے کس دھندلکے میں؟
عکس میرا ہے ملگجا صاحب

دشمنی ہے مری ہواؤں سے
جل رہا ہے مگر دیا صاحب

جھوٹ کا ہے نظام سکہ نشاں
کہہ رہا ہے یہ میڈیا صاحب

راستے کا چراغ ہوں شاید
چھیڑتی ہے مجھے ہوا صاحب

کوئی مشکل پڑی تو دیکھوں گا
کیا کروں گا ابھی وفا صاحب

کوچۂ حرف سے گزرتی ہے
یہ غزل ہے مری صدا صاحب

چاک دامن ہے یہ جہاں لیکن
خاک زادوں کی ہے قبا صاحب

تتلیوں کے حصار میں ہمدم
پھول ہوں میں کھلا ہوا صاحب

☆

خواب دانی میں خاک داں جاناں
خود کو رکھتا ہے لامکاں جاناں

تو عیاں ہے کہاں نہاں جاناں
تجھ کو ڈھونڈوں کہاں کہاں جاناں

تجھ کو سانسیں تلاش کرتی ہیں
میرے اندر ہے تو کہاں جاناں

تجھ سے کردار مل گیا ورنہ
یہ کہانی تھی رائگاں جاناں

دو کناروں کا تیسرا رخ ہے
دل کا موسم ہے پانچواں جاناں

سر بلندی ہے خاک زادوں کی
ان کے سر پر ہے آسماں جاناں

جھلملاتی ہے خواب کی دنیا
تجھ سے روشن ہے کہکشاں جاناں

مجھ کو دوزخ سے ڈر نہیں لگتا
میری جنت ہے میری ماں جاناں

دوسرا عشق ہے مگر کیا ہے؟
بہتے پانی پہ ہے مکاں جاناں

آٹھواں رنگ ہے محبت کا
سات رنگوں میں جاوداں جاناں

اب تو خوابوں کا ایک بستہ ہے
تختیاں ہیں نہ کاپیاں جاناں

جان ہی جان ہے جہاں ہمدم
جانِ جاناں ہے جانِ جاں جاناں

☆

عروج ایسا ملے جو کبھی زوال نہ ہو
مرے وطن کی زمیں پر کبھی وبال نہ ہو

میں بے نمود نہیں ہوں کہ پھر سے کھل نہ سکوں
وہ سبز شاخ ہی کیا جو کبھی نہال نہ ہو

خزاں کے بعد بہاروں کا دور ممکن ہے
یہ زرد فام قبائیں ہیں پر ملال نہ ہو

سدا بہار رہے یہ ہرا بھرا گلشن
مرے چمن میں خزاؤں کا احتمال نہ ہو

ہر ایک فرد پہ گزریں یہ خوش نما گھڑیاں
کسی وجود پہ مشکل یہ ماہ و سال نہ ہو

کسی گلاب کے چہرے پہ بے بسی نہ دکھے
کسی کلی کے لبوں پر کوئی سوال نہ ہو

مرے خدا مرے گلشن کو باخبر رکھنا
مرے خلاف ہواؤں کی کوئی چال نہ ہو

ہر اک محاذ پہ رہنا ہے ہم نے یوں ہمدمؔ
کسی عدو کو عداوت کی بھی مجال نہ ہو

☆

موجۂ باد کے سینے میں دیا ہو جانا
عشق ہوتا ہے محبت میں انا ہو جانا

تیرا کردار کہانی کو سلامت رکھنا
میرا کردار فسانے میں فنا ہو جانا

آئنہ زاد مناظر سے الجھ کر دیکھا
گردشِ اشکِ تمنا میں تباہ ہو جانا

ظرف سے بڑھ کے جو ہو جائے انا کا سودا
ایک پتھر کو بھی آتا ہے خدا ہو جانا

میں نے دریا کی روانی سے نمو پائی ہے
مجھ کو آتا ہے کہاں دشت نما ہو جانا

یہ سمندر تو فنا میں بھی بقا دیتا ہے
عشق کا حد سے گزرنا ہے فنا ہو جانا

لوگ مندر میں تراشے ہوئے جھوٹے بت ہیں
تم نہ ان تازہ خداؤں میں خدا ہو جانا

عہدِ افلاس میں بچوں نے ہنر سیکھا ہے
اِس کو کہتے ہیں زمانے میں بڑا ہو جانا

ایسا لگتا ہے کہ پائی ہے وفا کی دولت
مجھ پہ رحمت ہے محبت کا عطا ہو جانا

ہجرتیں وصل کے موسم میں اٹھا کر ہمدؔم
ہجر زادوں نے سکھایا ہے جدا ہو جانا

☆

آئینہ لائیں تو کیا تماشا ہو؟
کچھ دکھائیں تو کیا تماشا ہو؟

یوں سنوارے ہیں پر پرندوں کے
اڑ نہ پائیں تو کیا تماشا ہو؟

ہم پہ پابندیِ زمانہ ہے
آئیں جائیں تو کیا تماشا ہو؟

زرد سورج مثال دھرتی پر
لہلہائیں تو کیا تماشا ہو؟

جھوٹ بولا گیا فسانے میں
ہم سنائیں تو کیا تماشا ہو؟

وہ بلاتے ہیں کتنی چاہت سے
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو؟

طاقچے کا وجود آنکھیں ہیں
بجھتی جائیں تو کیا تماشا ہو؟

کچھ دیے ہیں، یہی غنیمت ہے
ہوں ہوائیں تو کیا تماشا ہو؟

اتفاقاً جو ایک دن تجھ کو
یاد آئیں تو کیا تماشا ہو؟

خاک زادے زمین سے باہر
خاک لائیں تو کیا تماشا ہو؟

دائرے کا رداس ہیں ہم تم
گھوم جائیں تو کیا تماشا ہو؟

جوج ماجوج ہیں مگر ہم بھی
خود کو کھائیں تو کیا تماشا ہو؟

کیا دکھاتا ہے آئنہ ہمدم
ہم دکھائیں تو کیا تماشا ہو؟

☆

میں سرابی تھا مگر خوابِ سحر اس نے کیا
دشت سے آگے محبت کا سفر اس نے کیا

لامکانی سے نکل کر خاکدانی میں ملا
میری جانب عشق کا پہلا سفر اس نے کیا

ہجر نے بخشی مجھے موجِ بہار زندگی
میں خزاں آلود تھا لیکن ثمر اس نے کیا

بے کراں چلتا گیا میں اپنا سایہ دیکھ کر
میں تو اس کے سنگ تھا سارا سفر اس نے کیا

ہوش تک ممکن نہیں تھا آئنوں کے شہر میں
ایک صورت سامنے تھی بے خبر اس نے کیا

یوں کیا تقسیم مجھ کو غیر ناطق کر دیا
میں وگرنہ طاق تھا جب مختصر اس نے کیا

اب مجھے اپنا ہی دروازہ کھلا ملتا نہیں
شہر میں رہتے ہوئے یوں در بدر اس نے کیا

کیوں نہ ساری پگڑیاں اس کج کلاہ پر وار دوں
میں تو بے دستار تھا جب معتبر اس نے کیا

دور رہ کر طے کیا ہے قربتوں کا فاصلہ
منتظِر رکھا مجھے پھر منتظَر اس نے کیا

بک رہی تھیں مورتیں جب کوڑیوں کے بھاؤ میں
کس گرانی سے مجھے لعل و گہر اس نے کیا

ڈوبنا چاہا تو سورج ہی پلٹ کے رکھ دیا
دھوپ میں پھیلا ہوا سایہ شجر اس نے کیا

اِس کی ہر تعمیر میں تخریب کا پہلو بھی ہے
اِک جہاں آباد تھا جس کو کھنڈر اس نے کیا

سب شجر اوندھے پڑے ہیں آندھیوں کے پاؤں میں
میری ساری محنتوں کو بے اثر اس نے کیا

آج تک حیران ہے موجِ گل و گلزار بھی
آتشِ نمرود میں کیا بے خطر اس نے کیا

زندگی میری اڑی ہے دھڑکنوں کی ڈور میں
قید کر رکھا مجھے بے بال و پر اس نے کیا

کون ہمدم پوچھتا ورنہ وفا کے شہر میں
خواب کی صورت مجھے زیبِ نظر اس نے کیا

دل کے صحرا سے یوں گزر جائیں
خواہشوں کو غبار کر جائیں

خواب اترے ہوئے ہیں آنکھوں میں
جس کو دیکھیں سراب کر جائیں

دن گزارا ہے دھوپ نگری میں
شام ہونے لگی ہے گھر جائیں

کھو گیا ہے سراغ منزل کا
کوئی رستہ نہیں کدھر جائیں؟

ان ہواؤں کو ہم سے نسبت ہے
ہم جدھر ہوں ادھر ادھر جائیں

ہم خزاؤں کی دھول ہیں لیکن
موجۂ گل بہار کر جائیں

خود کو دیکھیں ہزار آنکھوں سے
آئنہ دیکھتے سنور جائیں

آپ کا یہ مقام ہے صاحب
آپ چاہیں جہاں، جدھر جائیں

الجھنیں مٹ رہی ہیں صدیوں کی
کاش ہم بھی کبھی سدھر جائیں

تتلیوں کا فریب کیا ہے؟
پھول کھلتے ہوئے بکھر جائیں

خواب زادوں سے اب کہو ہمدؔم
خاک داں سے پرے اتر جائیں

☆

آئنہ یوں دکھا گیا کوئی
مجھ کو خود سے ملا گیا کوئی

اِک دیے کی مجھے ضرورت تھی
میرا گھر ہی جلا گیا کوئی

لامکانی وجود تھا میرا
خاک زادہ بنا گیا کوئی

دھڑکنوں کا مکان خالی ہے
جیسے باہر چلا گیا کوئی

شاعری میں کلام ہوتا ہے
حرف ایسا پڑھا گیا کوئی

میں تو کھویا ہوا تھا دنیا میں
میری دنیا کو پا گیا کوئی

میں نمو سے نہال رہتا ہوں
بیج ایسا اُگا گیا کوئی

منزلوں کا نشان کیسے ملے
نقش سارے مٹا گیا کوئی

آگہی کی تلاش میں ہمدؔم
دل کا رستہ دکھا گیا کوئی

☆

بام پر رسمِ چراغاں اور ہے
عید کے دن کوچۂ جاں اور ہے

دھول میں دکھتے نہیں نقشِ قدم
دشت میں کیا ہے؟ کہ طوفاں اور ہے

اپنے اپنے عہد کی ہے زندگی
آج کل خارِ مغیلاں اور ہے

لامکانی سے جہاں آباد تک
بے خودی میں ذوقِ عرفاں اور ہے

تم سمجھتے ہو جسے یہ وہ نہیں
شہر میں جانِ اسیراں اور ہے

ہجرتوں کے زخم تازہ ہیں مگر
ہجر میں موجِ بہاراں اور ہے

طاقچے میں جل رہا ہے جو دیا
کوچۂ دل میں فروزاں اور ہے

ہم محبت کے مسافر ہیں مگر
ہاں ! ادائے پا بجولاں اور ہے

اور ہے بندِ قبا کی داستاں
اور یہ چاکِ گریباں اور ہے

تجھ کو لکھا تھا سرِ لوحِ غزل
کتبۂ جاں پر جو کنداں اور ہے

پھیل جاتی ہے ہنسی رخسار پر
گال پر چاہِ زنخداں اور ہے

عشق نگری کی رتیں ہیں جاوداں
موسمِ گل ، باد و باراں اور ہے

خود سے ہمدم برسرِ پیکار ہوں
اب تو جینے کا بھی امکاں اور ہے

☆

عشق سر پر سوار رہتا ہے
دِل پہ کب اختیار رہتا ہے؟

چاک پر ہے مدام کوزہ گر
خاک میں شاہکار رہتا ہے

کون رہتا ہے اندرونِ جاں؟
دھڑکنوں پر خمار رہتا ہے

نرگسیت میں خود اذیت دل
آئنے کا شکار رہتا ہے

کوچۂ جاں میں تیرے ہونے سے
موجۂ گل بہار رہتا ہے

بادِ باراں عجب بہاراں ہے
خار پر بھی نکھار رہتا ہے

اچھے وقتوں کی ایک یاد ہے تو
بس ترا انتظار رہتا ہے

زندگی بھی چکا نہیں سکتی
دل کا سودا ادھار رہتا ہے

ایک پل کا بھی ہجر ناممکن
وصل میں ہی قرار رہتا ہے

جس کے دامن میں پیار ہوتا ہے
بے پناہ، بے شمار رہتا ہے

جلتے رہتے ہیں کچھ گھروں میں دیے
کتنا روشن دیار رہتا ہے

دشت نگری مرا بسیرا ہے
دل کے صحرا میں یار رہتا ہے

بے قراری قرار ہے ہمدم
کیوں جیا بے قرار رہتا ہے

☆

محبتوں کی مسافت پہ دل روانہ ہوا
خیالِ دشت کا موسم بھی عاشقانہ ہوا

بدل گیا ہے محبت میں دل زمانہ ہوا
مری انا کا جنازہ بھی غائبانہ ہوا

مرے شعور کی دنیا دوام ہے لیکن
مرا خیال زمانہ ہوا فسانہ ہوا

ہمارا گھر ہے چراغوں کی روشنی گویا
ہوا کے ہاتھ پہ رکھا ہوا ٹھکانہ ہوا

بنا لیا ہے نشیمن جسے پرندوں نے
وہ خار و خس کا ٹھکانہ بھی آشیانہ ہوا

میں اپنے آپ کو دیکھوں تو کس طرح دیکھوں
کہ آئنے سے ملے بھی تو اک زمانہ ہوا

اسی کے پھول کھلے ہیں فگار سینوں میں
وفا کے دشت میں آباد جو گھرانہ ہوا

جنابِ حسن میں رہتا ہے عاشقوں کا ہجوم
دیارِ عشق مریدوں کا آستانہ ہوا

جھکا ہوا ہوں میں سجدے میں سر اٹھاؤں کیا؟
غضب ہوا ہے جو خود سے نظر ملانا ہوا

بڑھی ہیں ضرب کی طاقت سے نسبتیں ورنہ
ہمارے صفر کا کیا ہے جمع ہوا نہ ہوا

ہم اپنے دور سے آگے کے لوگ تھے جیسے
جو دور ہم پہ روا تھا کبھی وفا نہ ہوا

سند قبول نہیں ہے مری زمانے کو
مجھے جو عشق ہوا ہے وہ مجرمانہ ہوا

وہ ایک شخص جو اچھا لگا بہت ہمدم
مرے وجود کا حصہ رہا، جدا نہ ہوا

☆

دھوپ ایسی ہے کہ سائے بھی پگھل جاتے ہیں
خواب آنکھوں سے نکلتے ہی بدل جاتے ہیں

ہم تری یاد میں کھوئے ہوئے پنچھی ٹھہرے
دل کے صحرا میں بہت دور نکل جاتے ہیں

شکریہ ! تیز ہواؤں کا کہ آباد رکھا
جب بھی طوفاں ہو دیے بجھتے بھی جل جاتے ہیں

بے چراغی میں اجالوں کی حقیقت کیا ہے
یہ اندھیرے تو در و بام نگل جاتے ہیں

یہ وتیرہ ہے مرے شہر کے سب چوروں کا
پکڑے جاتے ہیں مگر صاف نکل جاتے ہیں

ہم تو کشتی کے مسافر ہیں ہمارا کیا ہے؟
ڈوب جائیں بھی تو دریا میں سنبھل جاتے ہیں

یوں مچلتے ہیں کھلونوں پہ ہمارے بچے
چاند تکتے ہیں، ستاروں سے بہل جاتے ہیں

کچھ تو پانی سے تعلق ہے پرانا ان کا
آگ بجھتے ہی شرارے سے مچل جاتے ہیں

رسمِ دنیا ہے، یہ عادت کہ ریاکاری ہے
جیسا ماحول ہو ہر حال میں ڈھل جاتے ہیں

آستینوں میں بسیرا وہ کیے رکھتے ہیں
خود فریبی میں کئی سانپ جو پل جاتے ہیں

چھپتے پھرتے ہیں تجوری میں یہ کھوٹے سکے
قحط پڑتا ہے تو بازار میں چل جاتے ہیں

چھین لیتے ہیں سبھی راز ہمارے ہمدم
آئنہ پوش حقیقت بھی نگل جاتے ہیں

☆

غمِ دشتِ جنوں سے ماورا کرنا پڑے گا
بلا کا حوصلہ بھی کربلا کرنا پڑے گا

ہمیں کچھ اور ہی منظر دکھائی دے رہا ہے
کفِ خوابِ تماشا آئنہ کرنا پڑے گا

اندھیرے میں چلے تھے جانبِ منزل مسافر
انہیں معلوم کب تھا کیا سے کیا کرنا پڑے گا

شہادت کربلا کا استعارہ ہو گئی ہے
وفا کے باب میں یہ تذکرہ کرنا پڑے گا

اناؤں میں بچھڑنا اب ضروری ہو گیا ہے
ہمیں بھی ایک دن یہ فیصلہ کرنا پڑے گا

ہم اب تک جھوٹ سنتے آ رہے ہیں
حقیقت کا ہمیں بھی سامنا کرنا پڑے گا

اگر ہر زاویے سے دیکھنا ہے زندگی کو
ہمیں ہر ایک نقطہ دائرہ کرنا پڑے گا

ادھورے خواب کی تعبیر دستک دے رہی ہے
مکمل زندگی کا سلسلہ کرنا پڑے گا

نئی سرحد کی گنجائش نہیں ہے
پرانا دیس ہی ہمدؔم نیا کرنا پڑے گا

☆

لامکاں سے بھی ماورا ہے عشق
خاک داں میں جو آئنہ ہے عشق

حسنِ سجدہ بھی دیکھیے سرکار
بندگی میں جھکا ہوا ہے عشق

دھڑکنوں میں نہاں محبت زاد
خاک زادو ! سنو خدا ہے عشق

بے خرد ہے محبتوں کا حسن
اور پاگل بنا ہوا ہے عشق

کون کچا گھڑا لگائے پار
بیچ دریا میں آ کھڑا ہے عشق

روشنی کا سراغ ہے یہ چراغ
تیرگی ہے مگر ضیا ہے عشق

جانتا ہے ادائے عشوہ و ناز
حسن والوں سے آشنا ہے عشق

توڑتا ہوں میں خواہشوں کے سراب
دل کے صحرا میں ہم نوا ہے عشق

جھونپڑی کا نشان ہے امید
دور جلتا ہوا دیا ہے عشق

لوگ کہتے ہیں جس کو صبرِ حسینؓ
استعارے میں کربلا ہے عشق

سچ ہے ہمدم یہی بقولِ میر
''جان کا روگ ہے، بلا ہے عشق''

☆

عجب ہے شہرِ بلا کی دہشت
جنوں میں لپٹی انا کی دہشت

سموم لہجے میں بولتی ہے
سراب زادی ہوا کی دہشت

فضا میں آسیب پل رہے ہیں
ڈرا رہی ہے بلا کی دہشت

الم زدہ ہے خدا کی بستی
ستم ہے خونِ وفا کی دہشت

یہ کیسی وحشت میں آ گیا ہوں
نظر میں ہے انتہا کی دہشت

یہاں پہ مرتے ہیں لوگ ہر دم
پون پون ہے قضا کی دہشت

جہاں میں ہے بازگشت کیسی
پلٹ رہی ہے صدا کی دہشت

میں کس کے ہاتھوں پہ دوش رکھوں
یہاں پہ کس نے بپا کی دہشت

وہ لوگ کاٹیں گے خوف ہمدؔم
جو بو چکے ہیں سدا کی دہشت

میں کہانی میں کوئی بھولا ہوا کردار ہوں
تو نے یہ کس باب میں او! صاحب! رکھا مجھے